انجمن ترقی اردو ہند

کا

ہفتہ وار اخبار

قیمت سالانہ
تین روپیہ
ایک پرچہ
ڈیڑھ آنہ
تاریخ اشاعت
۱-۸-۱۵-۲۲

رجسٹرڈ نمبر
ال ۔ ۹۲۲

ٹیلیفون نمبر ۹۱

تار کا پتہ
"انجمن"
علی گڑھ

ہماری زبان

ایڈیٹر :- آل احمد سرور

جلد ۱۶	علیگڑھ - ۲۲ فروری ۱۹۵۷ ع	شمارہ ۸

رفتار

شکیل الرحمٰن اعظمی

پچھلے دنوں ڈاکٹر ذاکر حسین نے علی گڑھ میں تقریر کرتے ہوئے ان استادوں پر اعتراض کیا تھا جو اپنے سارے شاگردوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتے ہیں۔ ایسا استاد اس باغبان کی طرح ہے جو باغ میں ایک ہی قسم کا پھل چاہتا ہے۔ وہ پریشان رہتا ہے کہ کسی طرح تربوز آم ہو جائے یا املی امرود کا روپ دھار لے۔ حالانکہ اچھا باغبان وہ ہے جو یہ دیکھے کہ تربوز اپنے قسم کا اچھا تربوز ہو، آم اپنی قسم کا اعلیٰ درجے کا آم ہو یا امرود سارے امرودوں میں بہتر ہو۔

—— یہ روش کچھ ہماری تعلیم گاہوں کے لئے ہی مخصوص نہیں ہے۔ ہماری اردو تنقید میں آئے دن اس طرح کے نمونے سامنے آتے رہتے ہیں۔ اردو شاعری پر تنقیدی مضامین لکھنے والے ہر شاعر کا قد غالب یا اقبال سے ناپتے ہیں اور اس کے اندر بھی وہی خصوصیات تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو ان دونوں شاعروں کا طرۂ امتیاز ہے اور جب یہ باتیں نہیں ملتیں تو اس کی طرف ایسی حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں جیسے اس نے کوئی ایسا جرم کیا ہے جو بخشا نہیں جا سکتا۔ اسی ماہ "نقوش" کے سالنامے میں ڈاکٹر محمد حسن کا ایک مضمون آیا ہے جس میں انھوں نے یگانہ، فراق، راشد، فیض اور جذبی سے لے کر نئی نسل کے شعراء تک پر رائے زنی کی ہے اور ہر ایک کی خصوصیات سرسری طور پر (بغیر مثالوں کے) بیان کرتے ہوئے ایک زبردست "لیکن" کا اضافہ کیا ہے۔

—— یگانہ کے تیور، بانکپن، قلندرانہ آن بان اور غم کے طوفانوں کے مقابلے میں کج کلہی کی شان۔ گو مربوط نظریۂ حیات کا بدل نہیں ہو سکتے پھر بھی اس شاعری میں ایسے مشروب کی کیفیت تھی جو نشہ نہیں لاتا مگر جسم میں تازگی اور چستی پیدا کرتا ہے۔ یہ چستی زیادہ دیرپا نہیں ہوتی۔ اس سے ہمت ضرور بڑھتی ہے مگر بصیرت حاصل نہیں ہوتی۔"

—— فراق کی شاعری میں اگر کسی مربوط نظریۂ حیات کی تلاش کی جائے تو کامیابی دشوار ہے۔ فراق کی غزل میں فکری وحدت کا فقدان ہے۔

—— فیض کا نظریہ یا فلسفۂ حیات کیا ہے؟ فیض اپنی نظموں میں کیا کہنا چاہتے ہیں؟ کائنات، زندگی اور انسانی وجود اور اس قسم کے بنیادی مسائل پر فیض خاموش ہیں۔

—— جذبی کی غزلوں میں ایسی کوئی بات نہیں ملتی جسے وہ بے اختیار ہو کر دوسروں تک پہنچانا چاہتے ہوں۔ یہ محض اظہار ذات کا ذریعہ ہیں۔ اظہار حقیقت کا نہیں۔ جذبی کائنات اور حیات انسانی کے عظیم مسائل تک دسترس نہیں رکھتے۔

—— ناصر کاظمی کی غزلوں میں بھی کچھ ہے لیکن

یہ شاعری معجزۂ فن بننے تک نہیں پہنچی۔"

ان شعراء پر رائے دیتے ہوئے بیچ بیچ میں فاضل مقالہ نگار یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ غالب اور اقبال تو خیر بڑی بات ہے۔ اصغر اور فانی تک کے یہاں مربوط فکر اور فلسفۂ حیات ہے لیکن یہ سارے جدید شعراء اس سے محروم ہیں۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہر شاعر کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ کسی فلسفے یا عقیدے کی تبلیغ و اشاعت کو اپنے فن کا مقصد قرار دے۔ اول تو یہ کہ ہر شاعر کے بس کی بات بھی نہیں اور بالفرض ایسا ہو بھی جائے تو میرا خیال ہے کہ شاعری کا دائرہ سمٹ سمٹا کر محض ایک نقطہ رہ جائے گا جس پر سبھی شاعر رقص کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ ہر شاعر ایک مخصوص افتادِ طبع کا مالک ہوتا ہے اور اس کے تجربات کی اپنی ایک نوعیت ہوتی ہے۔ وہ اگر محض بڑے شاعر بننے کے چکر میں اپنے آپ کو بھول کر غالب یا اقبال کی طرح کسی فلسفے کا دامن پکڑنے کو اپنا فرض بنائے تو زیادہ تر یہی امکان ہے کہ وہ فلسفہ تو خیر اس کی گرفت میں نہ آسکے گا ہاں وہ اپنی گہ کا مال بھی کھو بیٹھے گا۔ دور کیوں جائیے خود ہمارے ادب کی تاریخ میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ غالب کی تقلید بھی لکھنؤ کے بہت سے شعراء نے کی (جس سے چڑ کر یگانہ چنگیزی نے غالب شکنی پر کمر باندھ لی) اور اقبال کی شہرت و مقبولیت کو دیکھ کر امین حزیں اور سیماب اکبرآبادی وغیرہ نے اسی نوع کی شاعری کرنی چاہی۔ لیکن انجام؟ انجام آپ سب کو معلوم ہے۔ اس کے مقابلے میں حسرت موہانی، اختر شیرانی یا مجاز کو آپ کیا کہیں گے جو عشقیہ اور رومانی شاعری کے دائرے میں اپنی قسم کے بہترین شاعر ہیں اور ان کے کلام سے ہمارے بعض جذبات و احساس کی تسکین ہوئی ہے اور آئندہ بھی ہوگی۔

دوسری بات یہ کہ جن جدید شعراء پر محمد حسن صاحب تنقید کر رہے ہیں ان کے بارے میں یہ کہنا کہ سرے سے ان کے پاس کوئی نظریۂ حیات یا فلسفۂ حیات نہیں ہے صحیح نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ اقبال کی طرح انھوں نے کسی فلسفے کی تبلیغ کو اپنا مطمحِ نظر نہیں بنایا ہے۔ ہاں غالب، اصغر یا فانی کے یہاں اگر وحدت الوجود، فنا یا ماورائیت و روحانیت کا نظریہ ہے تو جدید شعراء کے یہاں مادیت و ارضیت، اخلاقیات کا نیا تصور، حکومت و سیاست کے بارے میں ایک نیا رویہ، سماج کی برائیوں کی ایک نئی توجیہ، غمِ جاناں اور غمِ دوراں میں ربط کی ایک نئی تلاش اور انسانی اقدار کے متعلق ایک نیا زاویۂ نگاہ ملتا ہے۔ ان سارے شعراء نے زندگی کے مسائل پر جدید نقطۂ نظر سے سوچا ہے اور ان کے ردعمل اور تاثرات میں نئے افکار اور نئے نظریۂ حیات کی چھاپ ہے۔ یہ بات ثابت کرنے کے لئے میں ایک علیحدہ مضمون لکھوں گا جس میں ان کے کلام سے مثالیں بھی دی جائیں گی۔ ان شعراء نے توحش، وحشت اور فرد و جماعت کے روابط کے متعلق ہمارے تصورات کو یکسر بدل دیا ہے۔

یگانہ اور فراق کی غزل کے سیکڑوں اشعار اس کے شاہد ہیں۔ فیض اور جذبی کی صرف غزلوں کو سامنے رکھ کر ان پر حکم لگانا انصاف نہیں۔ فیض کی نظمیں "مجھ سے پہلی سی محبت مری محبوب نہ مانگ" "رقیب سے" "ہم لوگ" "کتے" "موضوعِ سخن" "ملاقات" "دریچہ" اور "ہم جو تاریک راہوں میں مارے گئے" جذبی کی نظمیں "طوائف" "موت" "فطرت ایک مفلس کی نظر میں" "آزادی" آلِ احمد سرور کے نام" اور "میری شاعری اور نقاد" یا راشد کی نظمیں "اجنبی عورت" "انتقام" "خودکشی" "دریچے کے قریب" اور "نئی کرن" کیا ان نظموں میں آپ کو کوئی نظریۂ حیات نہیں ملتا۔ کیا ان نظموں کو پڑھنے کے بعد آپ مربوط طور پر شاعر کے نقطۂ نظر کا تعین نہیں کرسکتے؟

اب رہی "فکری عنصر" کی بات۔ تو اس معاملے میں بھی فاضل مقالہ نگار کو مغالطہ ہوا ہے۔ یگانہ اور فراق کی غزل یا فیض، راشد، جذبی (بلکہ میراجی) کی نظموں میں بیسویں صدی کی جو ذہنی پیچیدگیاں، نفسیاتی الجھنیں، پیچ در پیچ مسائل ہیں وہ اردو شاعری میں اس سے پہلے کبھی نہیں تھے۔ اصغر، جگر، حسرت اور فانی کی غزل گوئی میں تو تصوف کے بعض سیدھے سادے نقوش ہیں جن میں "ذہن" (INTELECT) کا عنصر بہت کم ہے۔ یہ "ذہن" تو اردو شاعری میں غالب کی تشکیک میں ملتا ہے یا جہاں انھوں نے تصوف یا قدیم تصورات کو چیلنج کیا ہے ورنہ پھر یگانہ و فراق کی غزلوں اور جدید شعراء کی نظموں میں ۱۹۴۴ء میں کچھ پرانے نقادوں نے جدید شاعری پر یہی اعتراض کیا تھا کہ اس میں فکر کی کمی ہے اس کا جواب حسن عسکری نے بہت اچھا دیا تھا۔

(بقیہ ص ۱۰ پر)

ہماری زبان

۲۲۔ فروری ۱۹۵۷ء

اُردو لغت

ہماری اردو لغت کی اسکیم کا ہر حلقے میں نہایت پرجوش خیر مقدم ہوا ہے۔ اہل نظر حضرات نے نہایت مفید تجاویز پیش کی ہیں، اخباروں نے اسے سراہا ہے۔ لوگوں نے اس سلسلے میں دامے، درمے، سخنے، قدمے مدد کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ اس خیر مقدم سے ہمیں بڑی تقویت ہوئی ہے اور جلد سے جلد کام شروع کرنے کا ارادہ مضبوط ہوگیا ہے۔

انجمن کی ادبی کمیٹی نے ۱۰۔ فروری کے جلسے میں ماہرین کی ایک کمیٹی کام کے طریقۂ کار کو متعین کرنے اور مواد کی فراہمی کے لئے بنائی ہے۔ شروع مارچ میں کمیٹی کا جلسہ ہوگا۔ بعض لوگوں نے رائے دی ہے کہ عام ضروریات کے لئے ایک مختصر لغت، آکسفورڈ ڈکشنری کے نہج پر پہلے تیار کی جائے اور بڑی لغت بعد میں۔ کمیٹی اس کے متعلق بھی فیصلہ کرے گی۔ اس سلسلے میں یہ بات ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ کام بہت بڑا ہے۔ مولوی عبدالحق صاحب نے جو مواد جمع کیا تھا اس کے علاوہ کلاسیکی اور جدید ادب کے تمام معیاری خزانے کو کھنگالنا ہے۔ انگریزی، ہندی اور سنسکرت کے مروجہ الفاظ کو بھی اخباروں اور رسالوں اور تازہ ترین تصانیف سے جمع کرنا ہے۔ زیادہ سے زیادہ تعداد میں اہل فن کو جمع کرنا ہے اور پھر اس سارے مواد کی ترتیب و تہذیب کے بعد اس کی اشاعت کا انتظام کرنا ہے۔ صرف طباعت کے اخراجات کا اندازہ پچاس ہزار روپے ہے۔ اس کے علاوہ پچیس ہزار سے کم معاوضے اور دوسرے اخراجات میں صرف نہ ہوں گے۔ خریداروں سے جو رقم پیشگی یا قسطوں میں لی جائے گی اس کا بھی تعین کرنا ہے۔ کمیٹی کے جلسے کے بعد فوراً تمام تجاویز شائع کردی جائیں گی اور ۳۰، ۳۱ مارچ کو کانفرنس کے موقع پر پوری تفصیلات ہم ملک کے سامنے پیش کرنے کے قابل ہوجائیں گے۔

معیاری کتابوں کی نایابی

اردو میں جو کتابیں چھپتی ہیں وہ بیشتر ایک ہزار کی تعداد میں چھپتی ہیں۔ اچھی کتابیں دو تین سال میں نکل جاتی ہیں۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ ان کے دوبارہ چھپنے کی نوبت آئے۔ چنانچہ آج صورت یہ ہے کہ ہمارے پڑھنے والوں کو انیسویں صدی کے مشاہیر کی بیشتر کتابیں نہیں ملتیں اور بیسویں صدی کے قابل قدر لکھنے والوں کی کتابیں بھی بازار میں نہیں ہیں۔ جیسے جیسے تعلیم بڑھ رہی ہے اور پڑھنے والوں کا حلقہ وسیع ہورہا ہے اچھی کتابوں کی مانگ بڑھتی جارہی ہے۔ مگر اچھی کتابوں کے دوبارہ چھپنے کی رفتار نہایت سست ہے۔ میر کی کلیات، انیس کے مرثیے، ناسخ و آتش کے دیوان بھی آسانی سے دستیاب نہیں ہوتے۔ ضرورت ہے کہ ناشرین نئی کتابوں کے ساتھ پرانی کتابوں کے چھاپنے کا بھی التزام رکھیں۔ پاکستان میں کچھ مشہور تصانیف کے اچھے ایڈیشن نکلے ہیں، ہندستان میں بھی اس طرف کچھ توجہ ہوئی ہے۔ مگر ضرورت کو دیکھتے ہوئے کتابوں کی فراہمی ناقابل اطمینان ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ناشرین ہر سال دس پانچ پرانی کتابوں کے نئے ایڈیشن نکالیں۔ انجمن نے یہ کام شروع کردیا ہے۔ اگر بیس پچیس ناشر دس ایسی کتابیں بھی ہر سال شائع کردیں تو دو ڈھائی سو پرانی کتابیں ہر سال مل جائیں گی اور عام پڑھنے والوں، اساتذہ و طلبہ کی ضرورت ایک حد تک پوری ہوسکے گی۔ انجمن کی کانفرنس میں اردو کے ناشرین کا ایک شعبہ الگ ہوگا اور امید ہے کہ دوسرے مسائل کے ساتھ وقت کے اس اہم مسئلے پر بھی مناسب توجہ کی جائے گی۔

ہماری زبان کے ادبی فیچر

ہماری زبان میں کچھ عرصے سے ادبی مسائل پر بحث کے لئے "رفتار" کے نام سے ایک کالم شروع ہوا ہے۔ اس میں ہر دفعہ کسی ادبی یا علمی موضوع پر خلیل الرحمٰن اعظمی صاحب اظہار خیال کرتے ہیں۔ ان کی رائے سے ہماری زبان کے ادارے کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ادبی مسائل پر سنجیدہ اظہار خیال عام ہو اور لوگوں میں

ان کے متعلق غور و فکر کا رواج بڑھے ۔ ادبی مسائل میں اختلاف کی بڑی گنجائش ہے اور اکثر یہ مفید بھی ہوتا ہے بشرطیکہ ہر نقطۂ نظر سنجیدگی سے پیش کیا جائے اور لکھنے والا خلوص اور واقفیت کا ثبوت دے ۔ اگر کسی کو "رفتار" کے خیالات سے اختلاف ہو تو وہ مراسلات میں ظاہر کیا جاسکتا ہے

اگلی اشاعت سے ڈاکٹر مختار الدین آرزو کے قلم سے "غیر معروف شعراء" اور "آثار ادبیہ" کے دو فیچر شروع ہو رہے ہیں ۔ یہ فیچر مختصر ہوں گے ۔ مگر ان کے ذریعے سے نئی معلومات ہر ہفتے "ہماری زبان" پڑھنے والوں کے سامنے آتی رہیں گی ۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ فیچر بھی "رفتار" کی طرح مقبول ہوں گے ۔

اب تک ہم نے نئے شعراء کو ہماری زبان میں خاص طور سے پیش کیا ہے ۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارے ممتاز اور مشہور شاعر بھی اب رفتہ رفتہ ہماری زبان میں نظر آئیں گے ۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ یہ پرچہ ایک اچھا ادبی اور علمی اخبار ہو اور اس میں زبان و ادب کے تمام اہم مسائل کی عکاسی ہو جائے پڑھنے والوں سے اس سلسلے میں ہم تعاون کی درخواست کرتے ہیں ۔

اُردو لغت کی ضرورت

معاصر صدق نے "ہماری زبان" علی گڑھ کے حوالے سے شائقین اردو ادب کو یہ خوشخبری سنائی ہے کہ انجمن ترقی اردو ہند نے اردو کا ایک جامع لغت مرتب کرنے کی تحریک کی ہے اور اس سلسلے میں جو مواد اس وقت انجمن کے پاس موجود ہے اس کی مدد سے انجمن کے رفقاء اور کارکن تخمیناً پانچ ہزار صفحات کی چار جلدیں چار سال کے اندر شائع کر سکتے ہیں اور اردو میں یوں تو ایک سے زائد لغت مرتب ہو کر شائع ہو چکے ہیں ۔ لیکن اردو کے ایک جامع اور مستند لغت کی مدت سے ضرورت محسوس ہو رہی ہے اور اب تو اشد ضرورت ہو گیا ہے کہ کوئی باہمت ادارہ اس ضرورت کو پورا کرنے کا سامان کرے ۔ اس میں کوئی شبہ نہیں یہ کام چند مہینوں یا ہفتوں میں انجام نہیں پا سکتا ۔ لیکن اردو زبان کے ادیبوں اور اہل زبان اس قحط الرجال میں جو بھی گنے چنے افراد باقی رہ گئے ہیں ان سبھوں کی مدد شامل ہو اور انجمن ترقی اردو مسلسل اس کام کو انجام دینے کی دھن میں لگ جائے تو یہ عظیم کام بہ آسانی اور تھوڑی مدت میں پایۂ تکمیل کو پہنچ سکتا ہے ۔

قاضی عبدالغفار صاحب مرحوم ناظم انجمن ترقی اردو نے ضرب الامثال کا ایک بڑا ذخیرہ بڑی تلاش و تحقیق کے ساتھ جمع کیا تھا ۔ اگر وہ دستیاب ہو جائے تو اس مجوزہ لغت میں کام آ سکتا ہے ۔ اگرچہ اس دور میں فسانۂ آزاد اور اودھ پنچ کی اردو باقی نہیں رہی ۔ انگریزی کے اختلاط سے اردو زبان میں کافی تبدیلی ہوئی ہے اور اس وقت نئے نئے علوم و فنون سے لوگ آشنا ہو رہے ہیں اور طرح طرح کی ایجادات و اختراعات ہوتی رہتی ہیں ان کے تعلق سے جب تک اردو زبان کو وسعت نہیں دی جائے گی زبان کی ترقی میں بڑی رکاوٹ پیدا ہوگی ۔ اس وقت اردو سے ناواقفیت اتنی بڑھ گئی ہے کہ اردو اخباروں میں مترجمین کا جو طبقہ شب و روز انگریزی سے اردو میں ترجمہ کا کام انجام دیتا ہے وہ اپنی اردو دانی کو انگریزی زبان کے مفہوم کو ظاہر کرنے سے قاصر پاتا ہے اور بے تکلف الفاظ کے الفاظ بلکہ بسا اوقات بہت سی انگریزی ترکیبیں اردو میں جوں کی توں

*

استعمال کرنے پر مجبور ہوتا ہے ۔ لگے ہاتھوں اس کی بھی کوشش ہونی چاہیئے کہ نئی نئی اصطلاحوں کو اردو کا جامہ پہنایا جائے جیسے کہ انگریزی اور فرانسیسی زبان میں کسی غیر زبان کے کسی لفظ کو لیا جاتا ہے تو بظاہر اسی زبان کا لفظ معلوم ہوتا ہے ۔ بہر حال مجوزہ اردو لغت کی ترتیب میں اردو داں طبقے کو حرکت میں آنا چاہیئے اور اس سلسلہ کو ترقی دے کر اردو کے انسائیکلو پیڈیا کو مرتب کرنے کی طرف رجوع کرنا چاہیئے ۔ ہماری تمنا ہے کہ انجمن ترقی اردو اپنے اس ارادے میں ہر طرح کامیابی حاصل کرے ۔

(رہنمائے دکن حیدر آباد ۔ ۷ ۔ فروری ۵۷ء)

بہت ضروری دفتری خط و کتابت کے پتے میں صرف جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ لکھئے ۔ کسی کا نام ہرگز نہ لکھئے نام لکھنے سے جواب اور تعمیل میں دیر ہونا لازمی ہے

انجمن کی خبریں

مرکزی انجمن

مرکزی انجمن کے ۲۰ فروری کے جلسوں کی کارروائیوں کا ایک حصہ پچھلی اشاعت میں دیا جا چکا ہے۔

مجلس عام میں انجمن کی جدید ریاستوں کی وجہ سے نئی تنظیم کا مسئلہ بھی پیش ہوا۔ طے ہوا کہ ملک کی نئی لسانی تنظیم میں جتنی ریاستیں معرض وجود میں آئی ہیں انہیں کے اعتبار سے ریاستی شاخیں قائم ہوں گی۔ ریاستی شاخیں اپنی انتظامی سہولت کے مد نظر ڈویژنوں اور ضلعوں کی شاخیں قائم کر سکتی ہیں۔ ان کا تعلق براہ راست ریاستی شاخوں سے ہوگا۔ جن ریاستوں میں ریاستی شاخیں قائم نہیں ہیں۔ وہاں کی شاخوں کا تعلق ریاستی شاخ قائم ہونے تک مرکز سے براہ راست رہے گا۔ ۳۱ مارچ کو ہونے والی اردو کانفرنس میں خصوصی طور پر تنظیم کے معاملے پر مزید غور کیا جائے گا۔

یہ بھی طے پایا کہ ۳۰۔ ۳۱ مارچ ۱۹۵۵ء کو ایک اردو کانفرنس انجمن کی طرف سے کی جائے جس میں انجمن کی تمام شاخوں کے نمائندوں اور اردو کے سربرآوردہ ادیبوں کو مدعو کیا جائے۔ یہ کاروباری کانفرنس ہوگی جس میں اردو اور انجمن سے متعلق تنظیمی، ادبی، انتظامی تمام امور پر غور کیا جائے گا اور پچھلے کاموں کی روشنی میں اگلے کاموں کے پروگرام پر غور ہوگا۔

دہلی

انجمن ترقی اردو ہند شاخ دہلی کے زیر اہتمام مرزا غالب کی یاد میں ۲۲۔ فروری بروز منگل تین بجے دن مرزا غالب پر ایک عظیم الشان جلسہ زیر صدارت خواجہ غلام السیدین منعقد ہوگا۔ جو ادیب اور شاعر اس جلسہ کے پروگرام میں حصہ لے رہے ہیں ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

پنڈت سندر لال، مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی، وقار رضوی، مانی جائسی، تلوک چند محروم، بسمل صدیقی، ساغر نظامی، امن لکھنوی، عرش ملسیانی، جگن ناتھ آزاد، انور صابری۔

احترام الدین صاحب شاغل

انجمن کی ریاستی شاخ راجستھان (جے پور) کے جنرل سکریٹری جناب احترام الدین صاحب شاغل انجمن کے کاموں کے سلسلے میں بات چیت کرنے اور کچھ تصانیف کی تکمیل کی غرض سے آج کل علی گڑھ تشریف لائے ہوئے ہیں اور آخر فروری تک یہاں مقیم رہیں گے۔

موصوف نے راجستھان کا مفصل تذکرہ ترتیب دیا ہے جو تقریباً کے چار سو صفحوں پر مشتمل ہوگا۔ اور جس میں تصاویر وغیرہ بھی کافی تعداد میں ہوں گی۔ یہ تذکرہ انجمن کے اہتمام میں چھپ رہا ہے۔

ہماری زبان کی توسیع اور دیگر کاموں کے سلسلے میں موصوف بہت کچھ کر رہے ہیں۔ ان کی ذات گرامی سے راجستھان کی انجمن کے کام تو سنورتے ہی رہے۔ مگر مرکزی انجمن کو بھی بڑی مدد ملی ہے۔ ایسی لگن رکھنے والے ہر ریاستی شاخ میں کچھ لوگ ہو جائیں تو ہمارے بہت سے کام بن جائیں۔

حیات اللہ انصاری صاحب

انجمن کی ریاستی شاخ یوپی کے جنرل سکریٹری اور رکن انجمن جناب حیات اللہ انصاری صاحب لکھنؤ سے اپنے بال بچوں کے ساتھ کار میں بارہ بنکی جا رہے تھے کہ کار ایک کھڈ میں الٹ گئی اور سوائے ایک بچے کے سب کو چوٹیں آئیں۔ حیات اللہ صاحب کو سب سے زیادہ صدمہ پہنچا۔ ان کی ریڑھ کی ہڈی ماؤف ہو گئی ہے اور وہ اسپتال میں فریش ہیں۔ اگرچہ کسی قسم کا خطرہ نہیں رہا ہے لیکن جو پلاسٹر چڑھایا گیا ہے وہ تین ہفتے کے بعد کھلے گا۔

ہماری دعا ہے کہ وہ جلد صحت یاب ہو کر اپنے علمی و ادبی مشاغل شروع کر سکیں۔

آگرہ - یوپی

بزم اردو آگرہ کی جانب سے ۱۰ فروری بروز اتوار بوقت ۸ بجے شب ایک بزم مشاعرہ جناب پروفیسر مغیث الدین فریدی جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو شاخ آگرہ کے دولت کدے پر منعقد ہوئی۔ مشاعرہ کی صدارت کے فرائض حضرت میکش اکبرآبادی نائب صدر انجمن ترقی اردو آگرہ نے انجام دئے۔ مشاعرہ میں پہلا دور طرحی غزلوں کا ہوا۔ مصرع طرح یہ تھا "نہ آشنائے بہار ہیں ہم نہ ہم کو مطلب خزاں سے" قافیہ: خزاں ردیف: سے

طرحی دور ختم ہونے کے بعد غیر طرحی دور شروع ہوا۔ مشاعرہ میں حسب ذیل شعراء کرام نے حصہ لیا۔

حضرت میکش اکبرآبادی، پروفیسر مغیث الدین فریدی، جناب صہبا اکبرآبادی، حضرت ہوش اکبرآبادی، جناب تابش اکبرآبادی، جناب راحت مارہروی، جناب تنویر مصطفےٰ اکبرآبادی، جناب قیصر بریلوی، جناب عزیز بریلوی، جناب عشرت دھولپوری، جناب اسرار حسین اصلاح اکبرآبادی، جناب تاباں اکبرآبادی، جناب جوش اکبرآبادی وغیرہ۔

صدر محفل حضرت میکش اکبرآبادی نے اراکین بزم اردو آگرہ کے جذبۂ خدمت ادب کو سراہا۔ نومشق شعراء کی ہمت افزائی کی اور یہ فرمایا کہ جو بزم مشاعرہ اتنی زیادہ اور ایسی کامیاب طرحی غزلیں پیش کر سکتی ہیں میں اس کے مستقبل کی طرف سے مطمئن ہوں اور مجھے خوشی ہے کہ شہر میں ایسے نومشق شعراء کی تعداد میں دن بہ دن اضافہ ہو رہا ہے جو خود شعر کہتے ہیں، فن سیکھنا چاہتے ہیں اور فن پر ریاض کرنے کی ہمت رکھتے ہیں۔" اراکین بزم اردو کی طرف سے حاضرین محفل کی تواضع کا انتظام کیا گیا تھا۔ مشاعرہ بڑے نظم و ضبط کے ساتھ ہوا۔ حاضرین مشاعرہ کے اختتام تک پورے ذوق و انہماک کے ساتھ نئی نسل کے شعراء کے کلام سے لطف لیتے رہے۔

معین الدین قیصوری
جنرل سکریٹری بزم اردو۔ آگرہ

بنارس - یوپی

انجمن ترقی اردو بنارس کے سکریٹری داتا رسول صاحب نے لکھا ہے کہ وہاں حکومت کے منصفانہ رویہ کے باوجود شہر کے اعلیٰ افسر اردو کے معاملے میں غفلت برت رہے ہیں۔

اس سلسلے میں ۱۹۵۹ء سے لیکر ۱۹۶۱ء تک متعدد بار کارکنوں نے حکام اور وزراء سے ملاقات کی۔ حکومت کی طرف سے وعدے کئے گئے سرکلر کا سہارا لیا لیکن ابھی تک کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ پرائمری اسکولوں میں اب اردو زبان نہیں پڑھائی جاتی۔ اگرچہ ماسٹروں کی کمی نہیں۔ اس کے علاوہ اردو پڑھانے والے چار اسکولوں میں سے تین کے نمبر بدل دئے گئے اور ایک توڑ دیا گیا ہے۔ مردم شماری کے بھرنے والے پرائمری اسکولوں کے فارموں میں اردو زبان کا کوئی خانہ نہیں۔

ان حالات کے مد نظر ہمیں حکومت کے عملی تعاون کا انتظار ہے اور امید ہے کہ وہ مادری زبان کی بحالی اور فروغ کو پھلنے پھولنے کا موقع فراہم کرنے کے لئے کوئی موثر قدم اٹھائے گی۔

جامِ میکش

جسے ہوائے چمن ہی نہ سازگار آئے — بلا سے اُس کی خزاں آئے یا بہار آئے
مذاقِ جنوں گر بروئے کار آئے — سرشک کے گوشۂ زنداں میں سب بہار آئے
میں سادہ دل کہ ہنسی کو بھی اُن کی پیار سمجھوں — وہ بدگماں کہ قسم پر نہ اعتبار آئے
ہوئی دی گئی اس شرط پر عنادل کو — چمن میں ورنہ پائیں جب بہار آئے
مرا وجود ہوا خاک راہ بت خانہ — ستم ہے پھر بھی بتوں کو نہ اعتبار آئے
ہزار لطف حیات ایسی موت پر قرباں — کہ آج وہ مری میت پہ سوگوار آئے
بتائیں کیا تجھے روداد اپنی داور حشر — جن بگڑ گئے تھے، گنہگار آئے

نگاہ بدلی جو ساقی کی اک ذرا میکش
تو جام لے کے وہیں میکدہ بہار آئے

(از میکش بدایونی)

اردو دنیا

برما کے ادیبوں سے اپیل

رنگون کے ہفتہ روزہ اخبار استقلال نے اپنے اداریے میں گوتم کی سرزمین پر پیدا ہونے والے اردو کے ادیبوں سے اپیل کی ہے کہ وہ اپنی ادبی روایات کے صحیح طور پر محافظ بنیں۔

آزاد برما کی سرکاری وعوامی زبان اگرچہ اردو نہیں ہے لیکن برمی زبان کے بعد اردو ہی یہاں کے ہر بڑے شہر اور گاؤں میں بولی جاتی ہے۔

اس اخبار نے کہا ہے کہ اس سرزمین پر شعروادب کی کبھی کمی نہیں رہی اور ان کے کارناموں کو تاریخ وادب فراموش نہیں کر سکتی۔ لیکن آج یہاں کے ادیبوں میں وہ جوش اور ولولہ نہیں رہا۔ ادبی ادارے بنتے ہیں اور چند ہی دنوں میں فنا ہو جاتے ہیں۔ اخبار نے اپیل کی ہے کہ اس بے عملی کو دور کیا جائے اور ادیب تنظیم واتحاد کے ساتھ اپنے ادبی ذوق وشعور کو بلند کریں۔

فلم جرنلسٹ ایسوسی ایشن کا مشاعرہ

پچھلے ہفتے بمبئی میں فلموں کے گانے لکھنے والے شعراء حضرات کا ایک مشاعرہ شیفرڈ روڈ بھاٹیکا میں منعقد ہوا۔ اس مشاعرے کی صدارت حضرت جگر مرادآبادی نے کی۔ اس میں فلمی شعراء کے علاوہ اردو کے بلند پایہ شعراء میں فیض احمد فیض اور علی سردار جعفری نے بھی شرکت کی۔

مشاعرے کا افتتاح اور اختتام جگر صاحب کے کلام سے ہوا۔ فیض احمد فیض کی غزل کے یہ اشعار سامعین میں ایک نئی لہر پیدا کئے بغیر نہ رہے۔

شمع نظر، خیال کے انجم جگر کے داغ
جتنے چراغ ہیں تری محفل سے آئے ہیں

یادِ غزال کا مشکر کو فیض جن کے ساتھ
نامے کسی بہار شمائل سے آئے ہیں

فلمی آرٹسٹوں کی یہ محفل شب کے آخری حصے میں بڑی کامیابی کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچی۔

کانگریس کے پوسٹر

بھوپال کے روزنامہ افکار نے یہ اطلاع شائع کی ہے کہ یہاں چناؤ کے سلسلے میں کانگریس کی جانب سے جو پوسٹر وغیرہ لگوائے گئے ہیں وہ صرف ہندی میں ہیں جبکہ یہاں شہر اور دیہاتوں میں اردو لکھنے بولنے اور پڑھنے والوں کی کافی اکثریت ہے اس کے برخلاف کمیونسٹ اور پرجا سوشلسٹ پارٹیوں کی جانب سے ہندی کے ساتھ اردو میں بھی پوسٹر لگائے گئے ہیں۔

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کی کانگریس کو اردو سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اسی لئے الیکشن کے نازک موقع پر بھی کانگریس کی جانب سے اردو میں پوسٹر نہیں لگائے گئے۔

ویمنس کالج میں یوم مومن

بزم اردو کلیہ اناث کی جانب سے حیدرآباد میں ۱۱ر فروری کو آغا حیدر حسن صاحب کی صدارت میں یوم مومن منایا گیا۔ جلسے کا آغاز آغا صاحب کے ایک مضمون سے ہوا۔ اس پروگرام میں مومن کے اشعار کے مرقع پیش کئے گئے۔ طالبات نے غزلیں سنائیں۔

جلسے کے اختتام پر ڈاکٹر محی الدین قادری زور کی صدارت میں مختصر سی محفل شعر وسخن منعقد ہوئی۔ جس میں سلیمان اریب، وحید اختر، شاذ تمکنت، کنول پرشاد کنول اور سیدہ حمیدہ وغیرہ نے شرکت کی۔

راجستھان میں اردو کی اشاعت

ٹونک سے نامہ نگار صاحب اطلاع دیتے ہیں کہ راجستھان میں اردو کی ترویج و اشاعت میں دارالعلوم خلیلیہ ٹونک بہت عرصے سے سرگرم عمل ہے۔ اس ادارے کی کوششوں کے سبب سے راجستھان میں اردو کے طلبہ کی تعداد سال بہ سال بڑھتی جا رہی ہے۔ دارالعلوم خلیلیہ میں اردو زبان کی تعلیم باقاعدہ درجہ وار ہوتی ہے۔ اس سال اس درس گاہ سے جامعہ اردو علی گڑھ کے امتحانات کے سلسلے میں ادیب، ادیب ماہر اور ادیب کامل میں امیدواروں کی تعداد ۹۰ تک پہنچ گئی تھی جن میں ۹۰ فی صد طلبہ کامیاب رہے۔

دارالعلوم خلیلیہ ٹونک کے نائب معتمد جناب مولانا حکیم سید محمد ظہیر احمد صاحب برکاتی ان تمام امور کے لئے لائق مبارکباد ہیں

سوویت زبان میں اردو ادب

سوشلسٹ سوویت نے پچھلے پندرہ بیس برس سے اردو اور ہندی زبانوں کا مطالعہ تیزی کے ساتھ شروع کر دیا ہے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے ۱۹۳۰ء اور ۱۹۴۰ء کے درمیان اردو کے مشہور شاعر غالب کی غزلوں کا روسی ترجمہ "گلیا گستا کوندرا ایوا" نے کیا تھا۔ لیکن ان ترجموں میں جو کمی رہ گئی تھی اب اسے دور کیا جا رہا ہے۔

نئے پروگرام کے تحت نئے اردو ادب کے بہترین تخلیقی شہ پارے سوویت قارئین کی خدمت میں پیش کئے جائیں گے۔ جن میں جوش ملیح آبادی، فیض احمد فیض اور علی سردار جعفری کی نظمیں شامل ہوں گی۔ اس کے علاوہ فراق کی غزلیں، مجاز کی "آوارہ" "اندھیری رات کا مسافر" اور "خانہ بدوش" جیسی بلند پایہ نظمیں بھی ترجمہ کی جائیں گی۔

مجموعے کی ابتدا مشرق کے عظیم شاعر ڈاکٹر محمد اقبال کی نظموں سے ہوگی جنھیں سوویت قارئین ایک شاعر کی حیثیت ہی سے نہیں بلکہ ایک انسان دوست فلسفی کی حیثیت سے بھی بلند سمجھتے ہیں۔ اقبال کی نظموں میں "گورستان شاہی" اور "خضر راہ" شامل ہوں گی۔

گزشتہ گرمیوں میں ماسکو کے عالمی ادب کے ادارے نے اردو کے ہندستانی و پاکستانی ادب کے مطالعے کے سلسلے میں ایک اجلاس منعقد کیا تھا۔ یہ ادارہ ہمارے ادب کے متعلق تبصرے اور رسالے بھی تیار کر رہا ہے جن میں حالی، شبلی اور اقبال پر ممتاز سوویت تنقید نگاروں کے مضامین شائع ہوں گے۔ اس بات کی بھی تیاری ہو رہی ہے کہ اقبال، حالی، فیض احمد فیض اور مجاز کے الگ الگ مجموعے بھی شائع کئے جائیں اس کے علاوہ جن پر روسی زبانوں میں مختصر مضامین لکھے جانے کا ارادہ ہے ان میں ساحر لدھیانوی، واثق جونپوری اور جگن ناتھ آزاد بھی شامل ہیں۔

کامٹی کی ادبی سرگرمیاں

(الفاروق کے حوالے سے)

پچھلے دنوں کامٹی میں ۳۔ فروری سے ۱۰۔ فروری تک مختلف مقامات پر شعر و ادب کی محفلیں منعقد ہوئیں جن میں مقامی شعراء کے علاوہ دوسرے شاعر بھی شامل تھے۔

پہلی نشست ادارہ ماہنامہ خیال اور پبلک لائبریری کے زیر اہتمام ربانی ہائی اسکول میں ہوئی۔ اس مشاعرے کی صدارت مولانا ناطق گلاوٹھوی نے فرمائی اور اس میں مدیر ماہنامہ "شاعر" اعجاز صدیقی، سلیمان اریب (ایڈیٹر صبا) شاذ تمکنت، مظفر شاہجہاں پوری، وحید اختر کاشف اندوری اور علاؤ الدین صابر نے شرکت کی۔

دوسری ادبی نشست ۴۔ فروری کو پبلک لائبریری کے ہال میں منعقد ہوئی۔ تیسری نشست پھر اسی ہال میں بہ صدارت شاکر اورنگ آبادی، اعجاز صاحب کے اعزاز میں ہوئی اور ایک نشست مودی کلب میں ہوئی۔ اس کلب کے زیادہ تر ممبر اردو سے ناواقف ہیں تاہم جناب محمد یعقوب صاحب کی کوشش سے یہاں پہلی بار اردو مشاعرہ ہوا۔ مقامی اور باہر کے سب شعراء نے شرکت فرمائی۔ صدارت جناب فیض انصاری صاحب نے فرمائی۔ کامٹی کے سرگرم ادبی ہفتے کی باقی نشستیں بھی بے حد کامیاب رہیں۔

ناگ پور

مومن پورہ ناگ پور میں اعجاز صدیقی مدیر "شاعر" کے اعزاز میں ایک طرحی مشاعرہ زیر صدارت جناب شاکر اورنگ آبادی منعقد ہوا۔ مقامی اور بیرونی شعراء نے شرکت فرمائی۔

ہماری زبان کا سالانہ چندہ تین روپے ہے۔ منی آرڈر سے روانہ کیجئے اور وی پی سے طلب کرنے سے صرف آتا ہے۔

سہارنپور میں کوی سمیلن اور مشاعرہ

(بجواد مبارک سہارنپور)

یہاں جشن جمہوریہ کے سلسلے میں ۲۶ جنوری سے ۲۹ جنوری تک شعر و شاعری کا مترنم ماحول قائم رہا۔ اور کوی سمیلن اور مشاعروں کی کئی محفلیں منعقد ہوئیں۔ سب سے پہلے یوم جمہوریہ کے موقعے پر پنجابی کا ایک کوی دربار ہوا جس میں مقامی پنجابی شعرا کے علاوہ پنجاب سے بھی شعراء نے شرکت کی۔ اس دربار کو تقریباً ۲ ہزار سامعین نے زینت بخشی۔

دوسری شب اسی پنڈال میں اردو کا ایک کامیاب مشاعرہ ہوا اس مشاعرے میں بھی ۹ ہزار اشخاص سے کم نہ تھے جس میں نصف سے زائد غیر مسلم حضرات تھے۔ جو اس حقیقت کا روشن ثبوت تھا کہ اردو صرف مسلمانوں ہی کی زبان نہیں بلکہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی اس کے اسی طرح دلدادہ ہیں جس طرح مسلمان۔

۲۹ جنوری کو آخری نشست کوی سمیلن کی ہوئی جس میں تقریباً چار ہزار اشخاص نے شرکت کی۔ اور یہ تعداد گزشتہ سالوں کے کوی سمیلنوں کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی۔ حاضرین نے آخر تک داد اور تحسین دے کر اپنے شوق کا ثبوت دیا۔ اس کی وجہ صرف ایک تھی اور وہ یہ ہے کہ نوے فیصدی شاعروں نے بجائے ثقیل اور سنسکرت آمیز ہندی کے وہ زبان استعمال کی جسے ہم اگر اردو نہ کہیں تو نہایت محتاط الفاظ میں "ہندستانی" کہہ سکتے ہیں۔ اکثر شاعروں نے اردو غزلوں کی طرح ردیف و قوافی کی پابندیوں سے خیالات کو نظم کیا۔ اور کچھ شاعروں نے اردو کی نظموں کے انداز پر سیاسی، رومانی اور مزاحیہ نظمیں سنائیں اور سامعین سے خراج تحسین حاصل کیا۔

زبانوں کا احترام

حلقۂ ادب رائے پور مدھیہ پردیش کی طرف سے پروفیسر رام کرشن داس کپور صاحب کی صدارت میں ایک محفل مشاعرہ منعقد ہوئی جس میں اعجاز صدیقی نے اپنی نظم "قدم ملا کے چلو" پڑھی اور اختتام مشاعرہ پر آپ نے ایک تقریر بھی کی جس میں کہا کہ ہماری خواہش ہے کہ اردو اور ہندی کا جھگڑا جلد از جلد ختم ہو جائے انھوں نے کہا کہ دونوں زبانوں کے پاس ایک بڑا ادبی سرمایہ موجود ہے جنگ آزادی کے سلسلے میں اردو زبان نے ہزار ہا صفحات پر جو لٹریچر پیش کیا ہے اسے ہماری قوم اور ملک کو فراموش نہ کرنا چاہیے۔ خضر وقت پنڈت جواہر لال نہرو کا نعرہ "قدم ملا کے چلو" بھی اردو کا نعرہ ہے جس طرح ہم اپنی سرکاری زبان کا احترام کرتے ہیں اسی طرح ہم امید کرتے ہیں کہ علاقائی زبانوں کا بھی احترام کیا جائے گا۔ اس تقریر کے بعد محفل برخاست ہوئی۔

الیکشن کی مجبوریاں

خاص لکھنؤ میں یو۔پی کے وزیر انصاف سید علی ظہیر صاحب نے نامزدگی کے پرچوں کی جانچ کے وقت اپنے خلاف مسٹر افسر حسین کے پرچے پر یہ اعتراض کیا کہ انھوں نے اردو میں خانہ پری کی ہے اور اردو زبان نہ علاقائی سمجھا جاتا ہے اور نہ قومی زبان، ریٹرننگ آفیسر نے یہ قانونی نکتہ رد کر کے افسر حسین صاحب کے پرچے کو داخل کر لیا۔

"ہائے مجبوریاں الیکشن کی"

پنڈت جی کا ذوق شعری

پنڈت جواہر لال نہرو نے کٹک (اڑیسہ) کی انتخابی مہم کے ایک عام جلسے میں کانگریس جماعت کی پیہم جدوجہد کا ذکر کرتے ہوئے یہ اردو شعر پڑھا:

اس طرح طے کی ہیں ہم نے منزلیں
گر پڑے، گر کر اٹھے، اٹھ کر چلے

ریڈیو پر یوم غالب

لکھنؤ اور الہ آباد کے آل انڈیا ریڈیو سے غالب کے متعلق ایک دلچسپ پروگرام نشر کیا گیا۔ تین خواتین نے باری باری غالب کی مشہور غزلیں ترنم سے پڑھیں اور غالب کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے متعلق ایک فیچر نشر کیا گیا۔

مراسلات

مشاعرہ

اردو کلب کرنول کے پروگرام کے مطابق کلب کی نئی عمارت میں بتاریخ ۸۔ فروری شب کے ٹھیک ۹ بجے ایک غیر طرحی مشاعرہ منعقد کیا گیا۔ صدارتی فرائض جناب سکندر توفیق صاحب ایم۔ اے نے انجام دیں۔ مشاعرے میں شریک ہونے والے شعرائے کرام میں ناصر کرنولی، نادر رومانی، ہزار، اقبال ساحر، غازی، ذاکر، احمد اور اسماعیل ادیب قابل ذکر تھا۔ سامعین مقامی اور بیرونی شعرائے کرام کے کلام سے بیحد محظوظ ہوئے۔ صوبہ آندھرا میں مشاعروں سے عوام کی دلچسپی ان کے ذوق سلیم کی نشان دہی کرتا ہے۔

سکریٹری محمد اسماعیل

"ہماری زبان"

یہ اخبار آپ کی ادارت میں جو ترقی کے زینے طے کر رہا ہے وہ صحافی برادری کے لئے مشعل راہ اور دوسری زبان والوں کے لئے اس کی رپورٹیں قابل رشک ہیں۔

انجمن کی رپورٹیں ایسے لوگوں کی آنکھیں کھول رہی ہیں جن کا اب بھی خیال ہے کہ زبان صرف حکومت ہی کی سرپرستی میں پنپ سکتی ہے۔

محمد عمر یوسفی (دیر پودہ دکن)

بقیہ رفتار

"جدید شاعری کا پچھلی اردو شاعری خصوصاً حالی کے بعد سے ۱۹۰۰ تک کی شاعری سے ان کا موازنہ کیجئے تو آپ دیکھیں گے کہ عمومی حیثیت سے آج تفکر کا عنصر بہت بڑھ گیا ہے۔ شعروں کے معنی تو الگ رہے لہجے اور آہنگ تک میں تفکر کے اثرات جھلکتے ہیں۔ آج کل کے عام شاعروں میں بھی کم و بیش سوچ بچار کا وجود پہلے سے زیادہ نظر آتا ہے۔"

آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

"کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اردو شاعری کے کسی دور نے مجموعی حیثیت سے شاعری کے نئے مطالعے اور مختلف علوم و فنون کے مطالعے کی اہمیت اب سے زیادہ محسوس کی ہو؟ خود پڑھنا تو الگ رہا نئے شاعروں نے تو آپ حضرات تک کو آرنلڈ کی کتاب یا انسائیکلو پیڈیا پڑھ کر لکھنے پر مجبور کر دیا۔ اسے آپ تفکر نہیں کہتے ہیں؟"

اپنا پتہ دیکھئے

مہربانی فرما کر آپ اپنا پتہ ضرور دیکھئے کہیں آپ کے پتہ کی چٹ پر سرخ لکیر تو کھنچی ہے؟ یہ سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اس اشاعت سے آپ کی میعاد خریداری ختم ہو گئی ہے اب آپ فوراً تین روپے منی آرڈر بھیج دیجئے تاکہ اخبار آپ کے نام جاری رہ سکے۔

مہتمم "ہماری زبان" ہفتہ وار

مشترکہ قومیت کی تشکیل میں امیر خسروؒ کا حصہ

تیرہویں صدی عیسوی کو ایشیا اور خصوصاً ان بر اعظم کے اسلامی ممالک کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ وہ پُر آشوب زمانہ تھا جب وسط ایشیا سے فتنۂ چنگیزی کی تند آندھی چلی اور اس نے اسلامی تہذیب و تمدن کے اس قصر کو جس کی تعمیر میں اہل سیف اور اہل قلم نے سیکڑوں برس محنت اور عرق ریزی کی تھی جڑوں سے ہلا دیا۔ مغلوں کی یورش کا بڑھتا ہوا سیلاب مغرب کی سمت رواں ہوا، خیوا، بخارا، سمرقند، ہرات اور بلخ کو اپنی لپیٹ میں لے کر ایران کی سرزمین سے گزرا۔ راستے میں اسماعیلی گروہ کے سنگین قلعوں الموت، میمون وِژ وغیرہ کو مسمار کرتا ہوا اسلام کے سب سے بڑے مرکز خلافت کے مستقر بغداد تک جا پہنچا اور اس عظیم الشان شہر کو جس کی دولت اور خوشحالی، آبادانی اور خوش وضعی کا شہرہ چار دانگ عالم میں تھا، آن کی آن میں اس طرح تباہ و برباد کر گیا کہ آج ڈھونڈے سے بھی ان محلات، اور مساجد کا، جن کے در و بام اور قبے و مینار آسمان سے باتیں کرتے تھے، کہیں نشان نہیں ملتا۔ سیکڑوں بیش قیمت کتب خانے نذر آتش ہو گئے، ہزاروں علماء، شعرا اور ادیب یا تو لقمۂ تیغ بن گئے اور یا بے گھر ہو کر اس طرح ادھر اُدھر منتشر ہو گئے جس طرح باد خزاں سے درختوں کے کمزور اور زرد پتے۔ بڑے بڑے تاجدار اور امرا نان شبینہ کو محتاج ہو گئے۔ بیسیوں گنجان آباد شہر خاک میں مل گئے اور کم از کم کچھ عرصہ کے لئے ایسا معلوم ہونے لگا کہ اسلامی تہذیب و تمدن کا خاتمہ ہو گیا ہے اور اس میں اب اتنی سکت نہیں رہی کہ دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر اپنی گذشتہ قوت، رونق اور شادابی کو دوبارہ حاصل کر سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ مغلوں کے حملے نے اس تہذیب و تمدن کی روایات کو بالکل محو نہیں کر دیا تاہم اتنا مدھم اور دھندلا کر دیا کہ ان کو از سر نو اُجاگر کرنے میں صدیاں لگ گئیں اور پھر بھی بہت سے علوم و فنون ایسے رہ گئے کہ جن کی ترقی کو ایسا ناقابل تلافی نقصان پہنچ چکا تھا کہ وہ حقیقی معنوں میں دوبارہ کبھی بھی پنپنے نہ پائے۔

ہمارے ملک ہندوستان میں اس بحرانی دور میں خاندان غلاماں کی حکومت تھی، دہلی کے تخت پر سلطان شمس الدین التمش متمکن تھا جس نے اپنے آقا قطب الدین ایبک سے تاج سلطنت ورثے میں پایا تھا اور اپنے دو زبردست حریفوں، سندھ کے حاکم ناصر الدین قباچہ، اور بنگال کے حاکم بختیار خلجی کو زیر کر کے اپنی حکومت کی بنیادیں مستحکم کر لیں تھیں۔ چنگیز خاں جلال الدین خوارزمی کا پیچھا کرتے ہوئے دریائے سندھ تک پہنچ گیا، لیکن یہ ہندوستان کی خوش قسمتی تھی کہ اس نے اس دریا کو عبور نہیں کیا، اور اس طرح دہلی کی سلطنت اس کے مغل اور تاتاری سواروں کے بے پناہ تیروں کی آماجگاہ بننے اور ان کے سبک رفتار گھوڑوں کے سموں سے پائمال ہونے سے بچ گئی۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ امرا، وہ شاعر، وہ ادیب اور عالم جو اپنے ملکوں کو خیرباد کہنے پر مجبور ہو گئے تھے ہندوستان آنا شروع ہوئے، اس لئے کہ اس جنت الفیس ہی ایک امن کی جگہ نظر آتی تھی۔ سلطان التمش نے بھی اس موقع کو غنیمت جانا اور ان خانہ برباد لوگوں کو خوش آمدید کہتے ہوئے ان کو اپنے دامن تربیت میں بخوشی جگہ دی۔ وہ جانتا تھا کہ ان لوگوں کی موجودگی سے اس کے دار السلطنت دہلی کی رونق میں چار چاند لگ جائیں گے اور یہ شہر سمرقند اور بخارا کی ہمسری اور دمشق اور بغداد کی ہمسری کا دعویدار بن جائے گا، اس کا یہ خیال چنداں غلط نہ تھا، کیونکہ واقعی اس کے اور اس کے جانشینوں کے عہد میں دہلی نے وہ شہرت اور قدر و قیمت حاصل کر لی جو کسی زمانے میں اسلامی تہذیب کے ان قدیم گہواروں کو حاصل تھی۔ ان ہی آنے والوں میں ایک خاندان وہ بھی تھا جس نے امیر خسرو کا سا گوہر بے بہا دے کر ہندوستان کے دامن علم و ادب کو مالا مال کر دیا۔

خسرو کے والد امیر سیف الدین ایک ترکی قبیلہ ہزارہ لاچین سے تھے، التمش کے عہد حکومت میں ہندوستان میں وارد ہوئے اور اس کی ملازمت اختیار کر کے ایک قصبے مومن آباد یا پٹیالی میں مقیم ہو گئے جو ان کو بادشاہ نے بطور جاگیر عطا کیا تھا یہیں انھوں نے ایک ہندوستانی عورت سے جو التمش کے ایک بڑے امیر عارض الملک عماد الملک کی بیٹی تھیں شادی کی اور اس طرح خسرو نے ہندوستان

چند ادبی کتابیں

۱۔ پرچھائیں	آصف علی	قیمت	۲/۸ روپے
۲۔ حیات مرحبہ	نور الرحمٰن	"	۲/۸ "
۳۔ حیات اجمل	قاضی عبد الغفار	"	۲/- "
۴۔ محاسن کلام غالب	ڈاکٹر بجنوری	"	۱/۴ "
۵۔ میر تقی میر	خواجہ احمد فاروقی	"	۱۲/- "
۶۔ احوال غالب	مختار الدین آرزو	"	۹/- "
۷۔ نقد غالب	—	"	۸/- "
۸۔ یادگار داغ	صالحہ عابد حسین	"	۲/۸ "
۹۔ ہندی ادب کی تاریخ	ڈاکٹر محمد حسن	"	۵/- "

ہند کی سرزمین میں جنم لیا۔ ان کے والد کو دربار شاہی سے امیر کا خطاب ملا اور خسرو کے اپنے بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ سلطان التمش کا دستِ راست بن گئے اور اپنی بہادری اور قابلیت سے انھوں نے دربار شاہی میں نمایاں رسوخ حاصل کرلیا، چنانچہ امیر خسرو نے جب ہوش سنبھالا تو اپنے آپ کو امراء، علماء اور شعراء کے حلقے میں پایا۔ ان کے والد ان کی کمسنی ہی میں ان کو داغ مفارقت دے گئے۔ لیکن ان کی پرورش اب ان کے نانا عماد الملک نے اپنے ذمے لے لی جن کا گھر بڑے بڑے امیروں کا ملجا و ماویٰ تھا اور جو اپنی خوش اخلاقی، مہمان نوازی اور بادشاہ سے خصوصیت کی بنا پر مرجع خواص و عوام تھے۔ ہندو اور مسلمان امرا ہر وقت ان کے گرد و پیش رہتے تھے، ان کا دسترخوان بہت وسیع ہوتا تھا اور ہر وقت پان کے بیڑے تازہ بتازہ بن کر بڑی بڑی کشتیوں میں آتے رہتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایک ہندوستانی ماں کی گود میں پرورش پانے کے بعد اور ایک ایسے ماحول میں نشو و نما حاصل کرکے جہاں ہندو اور مسلم تہذیبوں کا سنگم تھا، امیر خسرو کے دل و دماغ میں بچپن ہی سے ایک مشترک ہندوستانی قومیت کا احساس راسخ ہوگیا ہوگا اور اس کا ثبوت ان کی تصانیف میں جگہ جگہ مل سکتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو ہمیشہ ہندوستانی ہی تصور کرتے رہے اور کبھی اپنی ترکی نسل پر انھوں نے بالخصوص فخر و ناز نہیں کیا بلکہ برخلاف اس کے ایک شعر میں اپنی نسل بتاتے ہوئے فخریہ طور پر اپنے نانا کا ذکر یوں کرتے ہیں:-

زنسلِ عارض اسود منم آں گوہر یکتا ۔۔۔ کز اصل خویشتن یک یک نشانی بازدادم تن

یعنی "اس سیاہ عارض کی نسل سے میں ایسا گوہر یکتا ہوں کہ میں نے اپنی نسل کی ہر ہر خوبی کی نشان دہی کردی ہے"۔ قرآن السعدین اور نہ سپہر میں جو ان کی تاریخی مثنویوں میں خاص قدر و قیمت رکھتی ہیں انھوں نے متعدد اشعار میں اپنے ہندوستانی ہونے کا ذکر کیا ہے۔ اور اپنے اس پیدائشی ملک کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے اسے اپنے آباؤ اجداد کے وطن بلخ و بخارا اور ماوراء النہر وغیرہ پر ترجیح دی ہے نہ سپہر میں تو ایک پورا باب (یعنی مثنوی کے نو حصوں میں سے ایک) اسی موضوع کے لئے وقف کردیا ہے، ہندوستان کی معتدل آب و ہوا یہاں کے پھلوں اور پھولوں کی خوبی اور لطافت، یہاں کے آدمیوں کا حسن و جمال ان کی فطری ذہانت اور بالخصوص دوسری زبانوں کو بآسانی سیکھ لینے کی صلاحیت، علوم و فنون میں ان کی قابلیت اور مہارت، غرض یہ کہ اس ملک کی دینی، سماجی اور اخلاقی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جسے انھوں نے سراہا نہ ہو اور جس کی بنا پر انھوں نے اسے غیر ملکوں کے مقابلے میں مستحق ترجیح نہ ٹھہرایا ہو۔ ایک جگہ کہتے ہیں کہ

سیر سرما بہ ہند باید کرد ۔۔۔ کہ خراسان بود جہنم سرد

یعنی جاڑے کی سیر ہندوستان میں کرنی چاہئے کیونکہ خراسان تو ایک جہنم سرد ہوجاتا ہے (یعنی جاڑے کے موسم میں) ایک اور جگہ سنسکرت زبان کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

آنست زبانی بسخن ور دری ۔۔۔ کمتر از عربی و بہتر ز دری

"وہ ایک ایسی زبان ہے جو بولنے میں ایک چمکدار موتی کی طرح ہے، عربی سے تو (لغت میں) کم ہے لیکن فارسی دری سے بہتر ہے"۔ یہاں تک کہ اس ملک کی بعض ایسی رسوم کا ذکر کرتے ہوئے بھی جو غالباً مسلمانوں کو قابل اعتراض معلوم ہوتی ہوں گی وہ ان رسوم کے اچھے پہلو ہی کو دیکھتے ہیں، مثلاً جوہر اور ستی کی رسم کو بیان کرتے ہوئے ان کی نظر اس جذبۂ ایثار و خودداری پر پڑتی ہے جو ان کی تہ میں کارفرما تھا، چنانچہ ایک جگہ کہتے ہیں کہ اس قسم کی خودکشی شرع اسلامی کی رو سے ممنوع اور مذموم ہے تاہم اگر اس کی اجازت دے دی جاتی تو مسلمان بھی پروانہ وار محبت اور وفاداری کے جذبات سے سرشار ہوکر اپنی جانیں نچھاور کرنے کے لئے خوشی سے تیار ہو جاتے۔

باقی (انڈیا ٹوڈے)

نظم "قدم ملا کے چلو" کی تصحیح

۱۰ر فروری کے ہماری زبان میں اعجاز صدیقی کی نظم "قدم ملا کے چلو" شائع ہوئی ہے، افسوس کہ اس میں چند کتابت کی غلطیاں رہ گئیں۔ قارئین درست فرمالیں۔

	غلط	صحیح
دوسرا بند مصرعہ ۳	بڑے دلوں میں جگہ	بڑے دلوں میں رہے
تیسرا بند آخری مصرعہ	مٹا دیں	مٹا دو تم
ساتواں بند مصرعہ ۲	حوصلۂ عزم جو رواں	حوصلۂ عزم جواں
" " مصرعہ ۳	امیدوں کو	امیدوں کے
آٹھواں بند آخری مصرعہ	دواۓ دانش فکر و عمل	نوید دانش و فہم
نواں بند " "	نزعہ پر	نزع سا ہو

(پرنٹر و پبلشر نے نیشنل پرنٹنگ کمپنی میں چھپوا کر مرکزی انجمن علی گڑھ سے شائع کیا)